قسط ۲

# تصوّف کی حقیقت

—— مولانا الطاف الرحمٰن بنوی

پہلا اعتراض یہ تھا کہ تصوّف کا نتیجہ عام طور پر الحاد و بدعقیدگی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے مثلاً "سبحانی" وغیرہ جیسے کلمات کہنا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ العیاذ باللہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا ہم پایہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی تقدیس تو خدا تعالیٰ ہی کے شایان شان ہے۔

اس اعتراض کا جواب کسی قدر تمہید کا محتاج ہے لہٰذا پہلے اسکو ذہن نشین فرما لیجئے۔

جیسے کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرات صحابہؓ کو نبی علیہ السلام کی صحبت حاصل تھی ان کے حضور و استحضار کی کیفیات زیادہ تر اسی صحبت کی مرہون منت تھیں وہ اپنے اپنے طور پر ذکر و فکر بھی کرتے تھے لیکن اس کے باوجود سکر کی مغلوبیاں ان پر طاری نہیں ہوتی تھیں۔ وہ ہمیشہ صحو کی حالت میں رہتے اور حقائق کے واقعاتی ادراک میں کبھی کوئی غلطی نہ کرتے تھے، صحابہؓ کے بعد نبی علیہ السلام کی صحبت سے محرومی کی بدولت اہل سلوک پر وہ فنا بھی طاری ہوجاتی تھی جس میں اللہ تعالیٰ کے سوا ہر موجود کا وجود، ہر مشہود کا شہود اور ہر مذکور کا ذکر غائب ہوجاتا تھا۔ یہاں تک کہ ساری مخلوق اس کی نگاہ میں فنا ہوجاتی تھی اور صرف خدا باقی رہ جاتا تھا۔ اس قسم کا فنا نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر طاری ہوا کرتا تھا اور نہ ہی اولیائے کاملین پر، ہاں اس سے نچلے درجے کے لوگوں پر طاری ہوجاتا تھا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اسی فنا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" انبیاءؑ اور اکابر اولیاءؒ مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور سابقین اوّلین کو یہ فنا پیش نہ آئی۔ ان امور کی ابتداء تابعینؒ کے عہد سے ہوئی ہے اور شیوخ صوفیاء میں سے مثلاً ابویزیدؒ، ابوالحسن نوریؒ، ابوبکر شبلیؒ کو یہ حالات پیش آئے اور ان کے سوا ابوسلیمان دارانیؒ، معروف کرخیؒ، فضیل بن عیاضؒ بلکہ حضرت جنیدؒ کو بھی یہ صورت پیش نہیں آئی۔"

نبی علیہ السلام کی صحبت کی وجہ سے جو تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے صوفیاء کی اصطلاح میں قرب نبوت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس صحبت کے بغیر محض ذکر و فکر سے جو تعلق اور

وابستگی پیدا ہوتی ہے اسکو قربِ ولایت کا نام دیا گیا ہے، ان اصطلاحات کی روشنی میں اب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے لوگوں کے تعلقات و تقربات کا فرق معلوم کرنے کے لیے حضرت مجدد صاحب کا یہ بیان سنیئے۔

"وہ قربِ خداوندی جس کا تعلق فنا و بقا، اور سلوک و جذب سے ہے، قربِ ولایت ہے اولیائے امت اس سے مشرف ہوئے ہیں اور جو قرب کہ صحابہ کرام رض کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حاصل ہوا وہ قربِ نبوت ہے اس قرب میں نہ فنا ہے نہ بقا، نہ جذب ہے، نہ سلوک، اور یہ قرب قربِ ولایت سے بدرجہا بہتر ہے اسلئے کہ یہ قربِ حقیقی ہے اور وہ قربِ ظلی ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔"

اسی مقام پر ذرا آگے چل کر مزید توضیح فرماتے ہیں۔

"کمالاتِ قربِ نبوت اگر قربِ ولایت کے راستے سے طے ہوتے ہیں تو فنا و بقا اور جذب و سلوک سے چارہ نہیں اور اگر اس راستے سے کمالاتِ قربِ نبوت نہ حاصل کیے جاویں تو فنا و بقا اور جذب و سلوک کی ضرورت نہیں ہے صحابہ کرام رض نے قربِ نبوت کے راستے سے منزل طے کی ہے جذب و سلوک اور فنا و بقا سے ان کو کام نہ تھا۔"

(مکتوبات جلد اوّل مکتوب سہ صد و سیزدہم)

حضرات گرامی! اس تمہید کے بعد اعتراض کا جواب آسان ہو گیا اور وہ یہ کہ بعض صوفیہ سے اگر اس قسم کے کلمات منقول ہیں تو وہ قربِ ولایت کے راستے سے آئی ہوئی فنا اور غلبۂ حال میں صادر ہوئے ہیں اور یہ وہ حالت ہوتی ہے جس میں بالتفاق علماء وہ قطعاً معذور اور مرفوع القلم مانے گئے ہیں لہٰذا اسپر کسی کو گرفت کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

معترضین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ تصوف تعطل اور بے عملی کا دوسرا نام ہے ایسے لوگوں کے بارے میں میرا ذاتی تأثر یہ ہے کہ یا تو چند ناپختہ کار صوفیاء کے حالات دیکھ کر اور پڑھ کر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تصوف بے عملی کو جنم دیتا ہے اگر ایسا ہی ہے تو ان کو اعتراض کی بجائے اپنی تن آسانی اور تساہل کا علاج کرنا چاہیئے۔ اور اگر تصوف کی تاریخ پر نظر ہے تو حقائق کا منہ چڑانے کی مذموم ترین حرکت ہے جس پر ان کو اولاً اللہ تعالیٰ، ثانیاً حضرات صوفیاء اور ثالثاً تاریخ سے معافی مانگنی چاہیئے۔

حضرات! اس امت کی تاریخ کا بالاستیعاب مطالعہ کیجئے تو یہ بات دوپہر کے سورج اور چودھویں کے چاند کی طرح بالکل صاف و شفاف نظر آئے گی کہ ملتِ اسلامیہ کے اندر جب کبھی کوئی علمی اور عملی فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا تو یہی لوگ سر پر کفن باندھ کر اس کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان

میں آئے جنکا باطن نورِایمان سے منوّر تھا۔ خلقِ قرآن کا علمی اور اعتقادی فتنہ ہو، تاتاریوں کی عملی یورش و یلغار ہو، ایمان سے بتاؤ کس نے ان طوفانوں کا منہ موڑا، امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابن تیمیہؒ علوم ظاہریہ کے تبحرّ و عبقریت کے ساتھ ساتھ کس پایہ کے اہلِ باطن تھے، اپنی ہندستانی تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہاں مسلمانوں کے دور کا آغاز ہی صوفیائے کرام کی ذات سے ہوا۔

حضرت خواجہ معین الدّین چشتی کے مخلص اور پُرزور ہاتھوں سے یہاں چشتی سلسلہ کی مضبوط بنیاد پڑی۔ اس کے بعد سے خواص و عوام، شاہ و رعیّت سبھی نے ان بے غرض اور پاک نفس درویشوں اور مردانِ خُدا سے اپنی عقیدت و محبّت کا اظہار کیا اور ہندوستان کے ہزاروں اور لاکھوں ہندو ان کے فیضِ صحبت سے متأثر ہوکر مسلمان ہوئے۔

حضرت مجدد الف ثانی کا مقامِ تصوّف محتاجِ بیان نہیں اگر آپ کی مساعی جمیلہ نہ ہوتیں تو غالباً آج ہم تعالیٰ کے دین کی بجائے اکبر کے دین کے مسلمان ہوتے، آپ کے نامور خلیفہ اور صاحبزادے خواجہ محمد معصومؒ کے ہاتھ پر نو لاکھ انسانوں نے بیعت و توبہ کی۔

دعوت و ارشاد کی ان سرگرمیوں کے علاوہ حضرات صوفیہؒ جان بازی و جان سپاری میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہے وہ جانفروشی کے ہر موقعہ پر نہ صرف شریک ہوئے بلکہ لشکرِ اسلام کا ہراول دستہ اور صفِ اول کے مجاہدین و قائدین نظر آتے ہیں، ان آخری صدیوں پر نظر ڈالئے، امیر عبدالقادر الجزائری (مجاہد جزائر) محمد احمد السوڈانی (مہدی سوڈانی) سید احمد شریف السنوسی (امام سنوسی) اور سید احمد بریلوی (سید شہید) کو اسی میدان کا مرد پائیں گے۔

چند کور چشموں کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کی مختلف النوع درخشاں ملیّ خدمات سے کون انکار کرسکتا ہے لیکن کیا یہ ایک حقیقت نہیں ہے کہ اس کے تمام اکابر تصوّف کی روح سے سرشار اور اسی کی قوت و حرارت سے سرگرم عمل تھے، کیا اب بھی تصوّف کو تعطّل اور بے عملی کا طعنہ دینا کسی درجے میں بھی صحیح ہوسکتا ہے۔

قابلِ قدر سامعین! تصوّف کے بارے میں اٹھائے گئے سوالات و اعتراضات کے یہ تمام علمی جوابات جو آپ نے سماعت فرمایئے، اپنی جگہ بالکل درست لیکن اتنی لمبی چوڑی مغزماری بھی یقیناً وہ اطمینان و تسلی پیدا نہیں کرچکی ہوگی۔ جو کسی سچے صوفی کی ایک بہت مختصر سی صحبت پیدا کردیتی، کاش ہمارے سامنے روشنضمیری کا کوئی زندہ نمونہ ہوتا تو حاضرین کو "لے لقائے

تو جواب ہر سوال" کا عملی تجربہ کراتے۔ آج بھی اگر ملت کے کسی گوشے میں حقیقی تصوف کی کوئی شمع کا فوری روشن ہو جائے تو آپ دیکھیں گے کہ مٹی کے تیل سے جلنے والے سینکڑوں دیئے ٹمٹماتے ہوئے دیئے کس عجلت کے ساتھ اپنے پروانوں سے محروم ہوتے ہیں اسس موقعہ پر بنی خثعم کے ایک شاعر کا یہ شعر کیا مناسب ہے۔

خلت الدیار فسدتُ غیر مسوّد     ومن الشقاء تفرّدی بالسودد

(یعنی شہر کے شہر خالی ہوئے پس میں کسی کے بنائے بغیر سردار بن گیا، یہ بلامقابلہ سرداری کا ملنا یقیناً بڑی بدنصیبی کی علامت ہے۔)

حاضرین کرام! مجھے احساس ہے کہ میں آپ کی کافی سے زیادہ سمع خراشی کر چکا ہوں۔ تاہم اپنی آخری بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا ہوں اور وہ یہ کہ تصوف کے بغیر ایک عالم منفرد آدمی اور ایک جماعتی رہنما کی زندگی میں کیا خلا واقع ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ملت کی دو ایسی مقتدر شخصیتوں کے حوالے سے بات کرنا چاہتا ہوں جن میں سے ایک کے بارے میں زبان سے بے ساختہ "رحمۃ اللہ علیہ" اور دوسرے کے بارے میں "مدظلہ العالی" کی دعا نکلتی ہے۔ پہلی شخصیت امام دارالہجرت مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ اور دوسری شخصیت دور حاضر کے سب سے بڑے عالم باعمل اور اسلامی دنیا کے مانے ہوئے نمائندہ و ترجمان مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی ہے

امام مالکؒ فرماتے ہیں،

"من تفقّہ ولم یتصوّف فقد تفسّق ومن تصوّف ولم یتفقّہ فقد تزندق ومن جمع بینہما فقد تحقّق"

اس قول کے پہلے جملے کا مطلب یہ ہے کہ جس نے ظاہری فقہ کو سیکھا اور تصوف سے کوئی سروکار نہ رکھا تو نتیجتہً فسق کا شکار ہوا۔ بلاشبہ جس کی زندگی تصوف سے خالی ہے اس کو خدا تعالیٰ کا وہ زندہ تعلق ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا جو اس کے شب و روز کے سارے آنات و لمحات کو "یاد الٰہی" سے مملو رکھے۔ جس کی وجہ سے اُس کا تصلّب برقرار رہے بلکہ اکثر و بیشتر ہوتا یہی ہے کہ نفس امارہ کی طغیانیاں کبھی تو اس کے حریم تدین کے فقط اطراف و جوانب کو بہالے جاتی ہیں اور کبھی اس کے تمام دیواروں کو ہلا ڈالتی ہیں لیکن اس کے باوجود اس کی استقامت کا پندارہ برابر قائم رہتا ہے۔ اور مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں۔

"انسانی زندگی کا طویل ترین تجربہ ہے کہ محض معلومات وتحقیقات اور مجرّد قوانین وضوابط اور صرف نظم ونسق، سرفروشی وجانبازی بلکہ سہل تر ایثار وقربانی کی طاقت وآمادگی پیدا کرنے کے لیے بھی کافی نہیں ہے اسکے لیے اس سے کہیں زیادہ گہرے اور طاقتور تعلق اور ایک ایسی روحانی لالچ اور غیر مادی فائدے کے یقین کی ضرورت ہے کہ اس کے مقابلے میں زندگی بار دوش معلوم ہونے لگے
اس لیے کم سے کم اسلام کی تاریخ میں ہر مجاہدانہ تحریک کے سرے پر ایک ایسی شخصیت نظر آتی ہے جس نے اپنے حلقہ مجاہدین میں یقین ومحبت کی روح پھونک دی تھی اور اپنے یقین ومحبت کو سینکڑوں اور ہزاروں انسانوں تک منتقل کر کے ان کے لیے تن آسانی اور راحت طلبی کی زندگی دشوار اور جانبازی اور شہادت کی موت آسان اور خوشگوار بنا دی تھی۔ اور ان کے لیے جینا اتنا ہی مشکل ہو گیا تھا جتنا دوسروں کے لیے مرنا مشکل تھا۔"

چند سطر آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"معمولی اور معتدل حالات میں قوموں کی قیادت کرنے والے، فتح ونصرت کی حالت میں لشکروں کو لڑانے والے ہر زمانے میں ہوتے ہیں اسکے لیے کسی غیر معمولی یقین وشخصیت کی ضرورت نہیں لیکن مایوس کن حالات اور قومی احتضار کی کیفیات میں صرف وہی مرد میدان حالات سے کشمکش کی طاقت رکھتے ہیں جو اپنے خصوصی تعلق باللہ اور قوت ایمانی وروحانی کی وجہ سے خاص یقین وکیفیت عشق کے مالک ہوں۔ چنانچہ جب مسلمانوں کی تاریخ میں ایسے تاریک وقفے آئے کہ ظاہری علم وحواس اور قوت مقابلہ نے جواب دے دیا۔ اور حالات کی تبدیلی امر محال معلوم ہونے لگی۔ تو کوئی صاحب یقین وصاحب عشق میدان میں آیا جس نے اپنی "جرأت رندانہ" اور "کیفیت عاشقانہ" سے زمانے کا بہتا ہوا دھارا بدل دیا اور اللہ تعالیٰ نے "يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ" اور "يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا" کا منظر دکھایا۔

حضرات! اس طویل اقتباس کو نقل کرنے اور سنانے کی زحمت اس لیے گوارا کی گئی کہ اس میں ایک رہنما کے لیے تصوّف اور قوت روحانی کی ضرورت کو واضح کیا گیا ہے مولانا نے دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ رہنمائے جماعت کے لیے ایمانی وروحانی کیفیات کا ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ کہیں ابتلا وآزمائش کی سخت گھڑیوں میں عزیمت کی

مشکل پسندیوں اور مہم جوئیوں سے منہ موڑ کر رخصت کی تن آسانیوں پر قانع نہ ہو جانے اور اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس کی خلوص وللہیت جذب وکشش اور حوصلہ وہمت سے جماعت کی شیرازہ بندی قائم رہے نہیں تو رہنما کی رخصت پسندی اور جماعتی انتشار میں سے کسی ایک کا وجود بھی جماعتی مقاصد کو ناممکن الحصول بنا دیگا۔

آخر میں ایک وضاحت یہ بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ صوفیانہ صفات اور روحانی کیفیات کا عالم ہونا اور بات ہے اور اس کا حامل ہونا بالکل الگ بات ہے۔ اخلاقی قدروں پر محققانہ تقریر کرنے سے آدمی متخلق ہرگز نہیں بنتا، اس سلسلے میں ہمارے ایک استاد مرحوم ایک حکایت بیان فرمایا کرتے تھے کہ غالباً ابوالبرکات بغدادی سے کسی نے ابوعلی سینا کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کیسے آدمی ہے انہوں نے جواب دیا کہ "اخلاق ندارد"۔ کسی نے ابوعلی سینا کو یہ بات پہنچائی تو انہوں نے اخلاق کے موضوع پر ایک مفصل ومبسوط کتاب تصنیف کی جسمیں للہیت، صبر ورضا، اعتماد وتوکل، ریا ونمود خود بینی وخودستائی، کینہ وحسد جیسے بے شمار اخلاقی فضائل ورذائل پر بڑی باریک بینی سے بحث کی گئی تھی اور پھر اس کتاب کو ابوالبرکات بغدادیؒ کے پاس بھیجا، آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ میں نے کب کہا تھا کہ "اخلاق نداند" میں نے تو کہا تھا "اخلاق ندارد" تو تصوف کے ضمن میں جس چیز کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے وہ اس کا درجہ حال حاصل کرنا ہے نہ کہ فقط قال۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین


## قارئین متوجہ ہوں!

حکمتِ قرآن کے بعض مستقل خریداروں کی شکایت کے پیش نظر ادارے نے طے کیا ہے کہ آئندہ سے چندہ ختم ہو جانے کی اطلاع پیشگی طور پر دو ماہ قبل دے دی جایا کرے گی۔ تاکہ جو حضرات منی آرڈر بھیجنا چاہیں وہ بروقت منی آرڈر بھیں ارسال کر دیں۔ اور اس طرح یہ تکلیف دہ صورت نہ پیش آئے کہ آپ کی جانب سے منی آرڈر بھیجا جا چکا ہو لیکن بروقت ہم تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہم یہاں سے رسالہ وی پی بھیج دیں (ادارہ)